اِنسانی حقوق اور تعلیماتِ نبویؐ

معاشرہ سے فتنہ وفساد کے خاتمہ اور امن وامان کے قیام کے لیے معاشرہ کے افراد کے حقوق و فرائض کی تعیین نہایت ضروری چیز ہے، اور یہ تعیین دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ معاشرہ کے کچھ سمجھدار لوگ اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں ایسے حقوق و فرائض باہمی مشورہ سے طے کر لیتے ہیں۔ ایسی تعیین کبھی تو درست ثابت ہوتی ہے اور کبھی غلط، کیونکہ انسان کی عقل بھی محدود ہے اور علم بھی۔ لہٰذا ایسی تعیین ہمیشہ تجربات کے دور سے گزرتی اور تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

دوسری قسم کی تعیین وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے خود ہی تجویز فرمایا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو بذریعہ وحی ایسی ہدایات واحکامات دے دیئے جاتے ہیں جنہیں عوام الناس تک پہنچانا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے تو ساتھ ہی نبی بھی تھے۔ انہی سے اس سلسلہ کی ابتداء ہوئی، جبکہ انتہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ گویا تعیینِ الٰہیہ اور تعیینِ انسانی میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر غیر متبدل ہے اور لوگوں کو اپنے پیچھے چلنے کی دعوت دیتی ہے۔ جب کہ ثانی الذکر جو لوگوں کے تجربات و مشاہدات اور خواہشات کے نتیجہ میں معرضِ وجود میں آتی ہے، ہمیشہ تغیر و تبدل کی زد میں رہتی ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اول الذکر خود متبوع، اور عوام اس کے تابع ہوتے ہیں۔ جبکہ ثانی الذکر تعیین خود لوگوں کی خواہشات کے تابع ہوتی ہے۔

ہماری شریعت کا ایک کثیر حصہ ایسے احکامات وارشادات پر مشتمل ہے جو انسانی حقوق سے متعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی وفات سے صرف تین چار ماہ پیشتر فریضۂ حج ادا فرمایا۔ ہجرت کے بعد یہ آپؐ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اس موقعہ پر آپؐ نے تقریباً سوا لاکھ صحابہ کرامؓ کے مجمع سے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

نیز اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" (المآئدۃ : ۳)

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیتِ دین پسند کر لیا ہے۔"

اس آیت کے نازل ہونے سے آپؐ کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اب آپؐ کی زندگی کا مشن پورا ہو چکا ہے، نیز یہ کہ اب آپؐ اپنی زندگی کی آخری منازل طے فرما رہے ہیں چنانچہ آپؐ نے اپنے خطبہ کا آغاز ہی ان الفاظ سے فرمایا:

"ایّھا النّاس اسمعوا قولی فانّی لا ادری لعلّی القاکم بعد عامی ھذا بھذا الموقف ابداً۔"

"لوگو! میری باتیں غور سے سُن لو، شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں پھر تم سے نہ مل سکوں۔"

اس خطبہ کی حیثیت گویا آپؐ کی وصیت کی تھی۔ لہٰذا آپؐ نے اس موقع پر صرف ان اُمور کی تاکید فرمائی، جنھیں آپؐ انسانی فلاح و بہبود کے لیے نہایت اہم خیال فرماتے تھے نیز یہ خطبہ دراصل پہلے سے نازل شدہ بہت سے احکامات کا خلاصہ تھا۔ اس خطبہ کا اکثر حصّہ چونکہ انسانی حقوق کی تعیین پر مشتمل ہے، لہٰذا اگر اسے انسانی حقوق کے سب سے پہلے چارٹر کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس خطبہ کا کثیر حصّہ تو آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں ارشاد فرمایا اور کچھ تھوڑا سا حصّہ واپسی پر منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا۔ صورتِ حال یوں تھی کہ آپؐ یہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور آپؐ کے الفاظ کو درمیان میں کھڑے لوگ پچھلوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ بعض باتیں آپؐ دو تین بار دہراتے۔ اس خطبہ کے آغاز میں ہی آپؐ نے سب سے اہم تین بنیادی حقوق — جان و مال اور آبرو کی حفاظت — کا ذکر فرمایا۔ اور جس بلیغ انداز سے ان کا ذکر فرمایا، اسی سے ان کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپؐ کے تمام تر خطبہ کا انداز یہ تھا کہ جب آپؐ ایک بات بیان فرما لیتے تو صحابہ کرامؓ سے پوچھتے کہ کیا میں نے یہ بات پہنچا دی؟ صحابہ کرامؓ جب یہ جواب دیتے کہ ہاں آپؐ نے پہنچا دی تو "اللّٰھم اشھد!" فرماتے یعنی "اے اللہ! اس بات پر گواہ رہنا، صحابہ کرامؓ کی یہ جماعت اس بات کا اقرار

کر رہی ہے کہ میں نے تیرا پیغام انہیں پہنچا دیا ہے"۔

جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے آپؐ نے جو انداز اختیار فرمایا حضرت ابو بکرہؓ اسے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ہم سے پوچھا:

"ایّ شہرٍ ھٰذا؟ قلنا اللّٰہ ورسولہٗ اعلم۔ فسکت حتّٰی ظننّا انّہٗ سیسمّیہ بغیر اسمہٖ، فقال: الیس ذا الحجۃ؟ قلنا، بلٰی۔ قال ایّ بلدٍ ھٰذا؟ قلنا اللّٰہ ورسولہٗ اعلم۔ فسکت حتّٰی ظننّا انّہ سیسمّیہ بغیر اسمہٖ، قال: الیس البلدۃ؟ قلنا بلٰی۔ قال فایّ یوم ھٰذا؟ قلنا اللّٰہ ورسولہٗ اعلم فسکت حتّٰی ظننّا انّہ سیسمّیہ بغیر اسمہٖ قال: الیس یوم النّحر؟ قلنا، بلٰی۔ قال فانّ دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرامٌ کحرمۃ یومکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا فی شہرکم ھٰذا و ستلقون ربّکم فیسألکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضُلّاً لاً یضرب بعضکم رقاب بعض۔ الاھل بلّغت؟ قالوا نعم۔ قال اللّٰھم اشھد۔ فلیبلّغ الشّاھد الغائب فربّ مبلّغ اوعٰی من سامعٍ"۔

"یہ کون سا مہینہ ہے"؟ ہم نے عرض کی "اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں"۔ آپؐ خاموش ہو گئے تا آنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس مہینہ کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "کیا یہ ذوالحجہ نہیں"؟ ہم نے عرض کی "جی ہاں"! پھر آپؐ نے پوچھا "یہ شہر کونسا ہے"؟ ہم نے کہا "اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں"۔ آپؐ خاموش ہو گئے، تا آنکہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "کیا یہ البلدۃ (مکہ) نہیں"؟ ہم نے کہا "جی ہاں" پھر آپؐ نے پوچھا: "یہ کونسا دن ہے"؟ ہم نے کہا: "اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں"۔ آپؐ خاموش ہو گئے، تا آنکہ ہمیں

لہ متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الحج۔ خطبہ یوم النّحر، الفصل الاول

گمان ہونے لگا کہ آپؐ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:
"کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟" ہم نے کہا "جی ہاں"۔ تب آپؐ نے فرمایا "بلاشبہ تم پر تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں، جس طرح اس مہینہ کی، اس شہر مکہ میں اور اس قربانی کے دن میں حرمت ہے۔ اور بلاشبہ تم عنقریب اپنے پروردگار سے ملو گے تو وہ تم سے تمھارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگنا۔" پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا، "کیا میں نے تمھیں یہ بات پہنچا دی؟" صحابہؓ نے عرض کی، "جی ہاں"۔ تو آپؐ نے فرمایا، "اے اللہ! گواہ رہنا۔" پھر آپؐ نے فرمایا جو شخص یہاں موجود ہے اُسے چاہیئے کہ وہ یہ بات اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات سننے والے سے وہ شخص زیادہ نگہداشت رکھنے والا ہوتا ہے جس کو بات پہنچائی جائے گی۔"

غور فرمائیے! اس ارشادِ مبارک میں تین قسم کی، اور تہری حرمت بیان کرنے کے بعد جان، مال اور آبرو کی حرمت کو اس تہری حرمت کے مانند قرار دیا گیا ہے ساتھ ہی آپؐ نے یہ تاکید بھی فرما دی کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ تاکہ یہ پیغام دنیا بھر کے لوگوں تک اور قیامت تک کے لوگوں کو پہنچ سکے۔

جان، مال اور آبرو کی حفاظت سے متعلق آپؐ کے اس مختصر مگر جامع ارشاد سے پہلے جو احکام نازل ہو چکے تھے، مختصراً درج ذیل ہیں:

۱۔ جان کی حفاظت

قتلِ ناحق کو شدید ترین اور ناقابلِ معافی جرم قرار دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔" (البقرۃ: ۱۷۹)

"اے عقل والو! قصاص میں تمھارے لیے زندگانی ہے۔"

۲۔ یہ قصاص محض قتل میں نہیں، بلکہ اعضاء و جوارح میں بھی قصاص ہے جس کی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔

۳۔ قتل سے متعلق مندرجہ ذیل سزائیں قرآنِ مجید میں مذکور ہیں:

(ا) مسلمان کے دانستہ خونِ ناحق کی سزا ابدی جہنم ہے۔ اللہ کا غضب اور لعنت مستزاد ہیں۔ (النسآء: ۹۳)

(ب) مسلمان کے قتلِ خطا کی سزا مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ (النسآء: ۹۲)

(ج) مقتول اگر معاہد قوم سے تعلق رکھتا ہو تو غلام آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا ہے۔ اور اگر دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو[2] تو بھی ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ (النسآء: ۹۲)

(د) نوزائیدہ بچیاں زندہ درگور کرنے کو بھی، جس کا عرب میں عام رواج تھا، قتل ہی قرار دیا گیا ہے۔ (التکویر: ۸-۹)

(ہ) قتلِ ناحق کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہو۔ (المآئدۃ: ۳۲)

قتل کی سب سے ہلکی سزا یہ ہے کہ مقتول کے وارث دیت پر راضی ہو جائیں، اور اگر وہ راضی ہو جائیں تو یہ ان کی مہربانی ہے۔ دیت کی مقدار سَو اونٹ ہے جو دورِ جاہلیت میں مروج تھی شریعت نے اسی کو بحال رکھا ہے۔ یا سو اونٹ کی قیمت کے لگ بھگ نقد رقم ادا کرنا ہوگی۔

آپؐ کی بعثت سے پیشتر عرب میں قبائلی نظام رائج تھا۔ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھ پڑتے اور قتل و غارت پر اُتر آتے تھے۔ اگر کسی قبیلہ کا کوئی شخص قتل ہو جاتا، تو جب تک یہ قبیلہ قاتل کے قبیلہ کے کسی شخص کو قتل نہ کر لیتا، چین سے نہیں بیٹھتا تھا۔ پھر یہ سلسلہ پشت در پشت آگے چلتا رہتا اور ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ اس کے متعلق آپؐ نے اسی خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

"الا کلّ شیءٍ من امر الجاهلية تحت قدمی موضوعٌ ودماء الجاهلية موضوعة وانّ اوّل دم اضع من دمائنا دم ابن ربیعة بن حارثة"[1]

"خبردار! دورِ جاہلیت کا ہر کام میرے ان دونوں قدموں کے نیچے رکھا گیا ہے۔ دورِ جاہلیت کے خون موقوف کر دیئے گئے ہیں، اور سب سے پہلا خون جو میں موقوف

---

[1] مسلم۔ کتاب الحج۔ باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] اور وہ خود مومن ہو۔

کرتا ہوں، وہ ہمارا خون ہے۔ ربیعہ بن حارثہ کا خون!"

گویا اس موقع پر آپؐ نے اپنے قبیلہ کا خون موقوف کر کے اس بڑے دستور کا مکمل طور پر خاتمہ فرما دیا۔

۲۔مال کی حفاظت

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سزائیں قرآنِ مجید میں نازل ہو چکی تھیں:

(i) چوری کی حد یہ ہے کہ چور، خواہ مرد ہو یا عورت، اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے (المآئدۃ: ۳۸)

(ii) راہزنی اور ڈاکہ وغیرہ کے لیے قرآنِ مجید میں چار سزائیں مذکور ہیں:

(۱) سولی (۲) قتل (۳) آمنے سامنے کے ہاتھ پاؤں کاٹنا اور (۴) جلاوطنی (المآئدۃ: ۳۳)

قاضی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان میں سے کوئی ایک، یا کئی ایک سزائیں، جرم کی نوعیت کا لحاظ رکھتے ہوئے دے دے۔

آج کل اسلامی سزاؤں کو، اور بالخصوص چوری کی سزا کو، وحشیانہ قسم کی سزا سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ تجربہ سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ لوگوں کے اموال کی حفاظت صرف اسی صورت میں ممکن ہے، اور شرعی سزاؤں کے نفاذ سے جرائم کی تعداد میں حیرت ناک حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے ان سزاؤں کے نفاذ میں جس قدر استقلال کا ثبوت دیا، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے:

قریش کی ایک ذیلی شاخ بنو مخزوم کی ایک عورت فاطمہ مخزومی نے چوری کی۔ قریش لوگ عرب میں بڑے معزز سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر فاطمہ کا ہاتھ کٹ گیا تو سارا قبیلہ بدنام ہو جائے گا، لہٰذا وہ سفارش کی راہیں تلاش کرنے لگے۔ بالآخر نظرِ انتخاب حضرت اسامہ بن زیدؓ پر پڑی۔ حضرت اسامہؓ نے جب یہ سفارش کی تو آپؐ کو ان پر بھی سخت غصہ آگیا۔ آپؐ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

"انّما اهلك الّذين قبلكم انّهم كانوا اذا سرق فيهم الشّريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد وايم الله لو انّ فاطمة بنت محمّد سرقت لقطعت يدها۔"[1]

---

[1] بخاری۔ کتاب الحدود باب اقامۃ الحدود۔

"تم سے پہلے کی امتیں اسی وجہ سے ہلاک کی گئیں کہ اگر ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

۳۔ آبرو کی حفاظت

آبرو ریزی یعنی زنا کی حد شادی شدہ کے لیے سو کوڑے مقرر ہے (النور: ۲) اور شادی شدہ کے لیے رجم ہے[1] اگر عورت سے جبراً یہ فعل کیا گیا ہو تو حد صرف مرد پر جاری ہوگی اور عورت بچ جائے گی۔ اور اگر یہ کام باہمی رضامندی سے ہو تو دونوں پر حد جاری ہوگی۔

ii ۔ کسی عورت یا مرد پر تہمت لگانے کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر ہے، اور توبہ سے قبل اس کی گواہی نامقبول ہے۔ (النور: ۴)

iii ۔ شراب نوشی کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق ۴۰ کوڑے یا ۸۰ کوڑے ہے[2]۔ کیونکہ شرابی نشہ کی حالت میں بعض دفعہ لوگوں کی بے عزتی کر دیتا ہے اور بعض دفعہ کسی پر تہمت بکنے لگتا ہے۔

یہ تو جان، مال اور آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں حدود و تعزیرات کا ذکر تھا۔ اب اسی سلسلہ کے درج ذیل ارشادات نبویؐ بھی ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں[3] (یعنی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں)
۲۔ جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مارا جائے، وہ شہید ہے[4]
۳۔ مسلمان پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے[5]
۴۔ کسی شخص کے لیے اتنی ہی بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے[6]

---

[1] بخاری۔ کتاب استتابۃ المرتدین۔
[2] مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب حد الخمر
[3] مسلم، کتاب الایمان، عنوان باب
[4] مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب من قُتِلَ دون مالہ فھو شھید
[5] مسلم۔ کتاب الایمان
[6] مسلم۔ کتاب البر والصلۃ۔ باب تحریم ظلم۔۔۔۔۔

۵۔ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے[1]

۴۔ حقِ ملکیت

سرمایہ دارانہ نظام میں زمین اور دوسری اشیاء کا غیر مشروط حقِ ملکیت تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک سرمایہ دار اپنے سرمایہ سے جیسے بھی چاہے اپنی دولت میں اضافہ کر سکتا ہے، خواہ اس کا یہ طریق کار معاشرہ کے اخلاق یا معاش کے لیے کتنا ہی نقصان دہ کیوں نہ ہو۔ اشتراکیت میں حقِ ملکیت کو یکسر ختم کیا گیا ہے اور سب کچھ قومی تحویل میں لے لیا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام فرد کے حقِ ملکیت کو تسلیم تو کرتا ہے مگر چند شرائط کے تحت۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور انسان یا جماعت کے پاس جو کچھ ہے، وہ بطورِ امانت ہے۔ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت ہی تصرف کر سکتے ہیں۔

قدرتی اشیاء سے استفادہ کے معاملہ میں ہر شخص کو مساویانہ حق حاصل ہے۔ مثلاً جنگل کی لکڑیوں کو جو شخص بھی اکٹھا کر کے لائے گا، وہ اسی کی ہوں گی۔ خواہ وہ انہیں خود استعمال کرے یا بازار میں جا کر بیچ دے۔ یا کوئی شخص اگر محنت کر کے پانی کے چشمہ سے پانی لاتا ہے تو وہ اسی کا ہو گا، کوئی دوسرا اس سے چھین نہیں سکتا۔ اس طرح اگر جنگل میں کوئی پھلدار درخت اُگ آیا ہے، اور وہ زمین کسی کی ملکیت بھی نہیں، تو جو شخص سب سے پہلے وہاں جا کر قبضہ کرے گا اور اس کی حفاظت کا اہتمام کرے گا، تو وہ اسی کی ملکیت بن جائے گا۔ حتیٰ کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تو اگر کوئی شخص بنجر اور غیر مملوکہ زمین کو آباد کر لیتا ہے تو وہ اسی کی ہو جاتی ہے[2]

(جاری ہے)

---

[1] مسلم۔ کتاب الایمان۔ عنوان باب۔
[2] بخاری، کتاب المزارعت۔

● جن احباب کو نمونہ کا پرچہ روانہ کیا جا رہا ہے، برائے مہربانی خریداری قبول کرنے کی اطلاع دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ زائد خرچہ سے بچنے کے لئے اپنا زرِ تعاون وی پی پی کی بجائے بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔